

تنزیلِ متاویل

امثال لہ قرآن

(۲)

از جناب مولوی محمد ایوب صاحب جیرا چھوری

(۶) کفار کے اعمال کا، اور ان امیدوں کا جو انہوں نے اپنے اعمال کے نتیجے سے وابستہ کر رکھی ہیں، کیا حشر ہوگا؟ قرآن ایک تمثیل کے پیرایہ میں اس کی توضیح یوں کرتا ہے:-

اور کافروں کے اعمال کی حقیقت چٹیل میدان کی آگ جگتی ہوئی ریت کی سی ہے جسے بیا سادو رو دیکھ کر پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے قریب آتا تو کچھ نہ پایا۔ البتہ اس نے اللہ کو وہاں موجود پایا جس نے اس کا حساب چکا دیا اور اللہ پہ بھروسے کرنے والے ہیں۔ یا ان کے اعمال کی مثال ان تہ تہ تاریکیوں کی سی ہے جو ایک ایسے اتھاہ بھند میں ہیں جسے موج نے ڈھانک لیا ہے، پھر اس موج کے اوج پر بھی موج ہو اور اس اوپر بھی بادل چھایا ہو۔ غرض ایک کے اوپر ایک کئی تاریکیاں جمع ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے۔ اور جسے اللہ ہی روشنی (ہدایت) نہ دے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ
بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَتَّى إِذَا
جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ
عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ
الْحِسَابِ أَوْ كظلماتٍ فِي بَحْرٍ لَمُتٍ
يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ
فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ
بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكِدْ يَرُهَا
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ
مِنْ نُّورٍ (نور - ۵)

اسے کہیں سے بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں دو مثلیں بیان فرمائی ہیں، ایک دورے چمکتی ہوئی ریت کی۔

دوسری تہ بہ تہ تاریکیوں کی۔ اس لیے کہ حق و ہدایت سے اعراض کرنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

ایک تو وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اوہام و خرافات کی بابت یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ بے بنیاد نہیں ہیں

بلکہ کوئی نہ کوئی بنیاد رکھتے ہیں لیکن جب حقیقت بے نقاب ہوتی ہے تو ان کے گمان کی اصلیت آشکارا ہوجاتی ہے

اور خیالات و اوہام کا تار پود بکھر جاتا ہے۔ جاہل بدعتیوں اور ہوا پرستوں کا یہی حال ہے کہ یہ لوگ اپنے اہوا و آراء

کو علم و بصیرت اور رشد و ہدایت سمجھے رہتے ہیں، لیکن جب اصل حقائق ان کے سامنے آتے ہیں اس وقت

ان پر ان کے ظن بے بنیاد کا راز کھلتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ ان کے عقائد اور ان کے اعمال کئی یہ عمارت

جو ان بے اصل عقائد کی بنیاد پر کھڑی ہے، ایسی ہی ہے جیسے ٹیل میدان کی چمکتی ہوئی ریت، جو دور سے دیکھنے

والوں کی نگاہوں میں پانی نظر آتی ہے اور حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ یہی کیفیت اور یہی انجام ہے ان اعمال کا جو

نہ اللہ کے لیے کیے گئے ہیں نہ احکام الہی کے اتباع میں، ان اعمال کو صاحبِ نجات اور سود و بہود کا ذریعہ

سمجھتا ہے حالانکہ اس غلط توقع کا انجام حسرت کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وہ اعمال ہیں جن کی بابت حتیٰ وعدہ بلکہ

فیصلہ ہے کہ وَقَدْ مَنَّا اِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا۔

تشبیہ کی بلاغت پر غور کرو! اللہ تعالیٰ نے سراب کے ساتھ بآلقیعا کی قید بھی لگائی ہے۔ قیہ اس ٹیل

میدان کو کہتے ہیں جہاں حیوانی اور نباتی وجود کا نام و نشان تکٹ ہو، یعنی محلِ سراب اس سنان صحرا کو بتایا

ہو بالکل بے آب گیا اور ہر غیر جمادی وجود سے خالی ہو، اور خود سراب ایک ایسی شے ہے جو بالکل بے حقیقت

و بے اصل ہے۔ اب ان کے اعمال اور قلوب کو، جہاں ایمان و ہدایت کی کسی کرن کا گزر ممکن نہیں، سراب

اور اس کے مذکورہ بالا موقع و محل سے مطابقت دو کیسی چول سے چول بٹھیر جاتی ہے جس طرح اس محل

سراب میں کسی چیز کا وجود نہیں اسی طرح ان کے دلوں میں آفتابِ ہدایت کی کرنوں کا گزر نہیں، اور یہی

سراب کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح ان کے اعمال بھی فریب محض ہیں جن سے انھیں توقعات تو بہت ہیں مگر وقت پر ان کے لیے سراب کی طرح معدوم الحقیقت ثابت ہوں گے۔

پھر ”يَحْسِبُهُ الظَّهْمَانُ مَاءً“ کی قید مزید پر غور کرو۔ ”ظمان“ اس شخص کو کہتے ہیں جو سخت پیاسا ہو۔ ایسا شخص پیاس کی شدت سے بتیاب ہو کر چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر پاس آتا ہے اور وہاں کچھ نہیں پاتا بلکہ تشنگی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کفار کا یہی حال ہو گا ان کے اعمال غیر اللہ کے لیے ہونے اور اطاعت رسول پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے بالکل سراب کے مشابہ ہیں۔ جن طرح پیاس آدمی چمکتی ہوئی ریت کی طرف، پانی سمجھ کر، لپکتا ہے اور ناگہانی یاس و حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اسی طرح میدان حشر میں کفار نہایت احتیاج کی حالت میں، بڑی امیدوں کے ساتھ اپنے اعمال کی طرف بڑھیں گے لیکن اعمال کا کہیں نام و نشان نہ ہو گا البتہ خدا موجود ملے گا اور ان کا حساب چکا دے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ باری تعالیٰ کی (قیامت کے دن) تجلی کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلعم نے فرمایا:-

”پھر جہنم لا کر پیش کی جائے گی جس کی شکل بالکل سراب کی سی ہوگی۔ اور یہود سے سوال ہو گا کہ

تم نے کس کی عبادت کی؟ کہیں گے خدا کے بیٹے عزیز کی، کہا جائے گا تم جھوٹے ہو، خدا کے نہ بیوی تھی نہ بیٹا۔

اچھا اب کیا چاہتے ہو؟ کہیں گے، پانی پینا۔ کہا جائے گا جاؤ بیو۔ چنانچہ وہ جہنم کی طرف ٹوٹ پڑیں گے۔ پھر نصیحتی

سے خطاب ہو گا، تم نے کس کو پوجا؟ جواب دیں گے مسیح خدا کے بیٹے کو۔ کہا جائے گا تم جھوٹ بکتے ہو، خدا

بیوی ابیٹے والا کب تھا۔ کہو اب کیا چاہتے ہو؟ کہیں گے سیراب ہونا۔ حکم ہو گا جاؤ بیو۔ سو وہ بھی دوزخ میں

کسے جا رہے ہوں گے الخ“

ہر باطل پرست کلا ہی حال ہو گا یعنی باطل اس کے ساتھ اس وقت خاکریز کا جبکہ اسے مدد کی سخت ضرورت ہوگی کیونکہ

باطل کی کوئی صلیت نہیں ہوتی، اس کا سٹی بھی ویسا ہی باطل ہوتا ہے جیسا کہ اس کا اسم پس جب اعتقاد میں حق کی

مطابقت نہ پائی جائے گی تو اس سے جو چیز متعلق ہوگی وہ بھی باطل ہوگی۔ اسی طرح عمل کی غرض و خفایت اگر باطل ہو

مثلاً عمل خالصہ لوجہ اللہ نہ ہو یا احکام الہی پر مبنی نہ ہو، تو وہ باطل ہوگا اور عمل کرنے والا اپنی توقع کے خلاف اس کی بدولت مضرت سے دوچار ہوگا۔ نیز اس کے اعتقاد و عمل کی طرف سے غفلت نہ ہوگی کہ مالہ و ما علیہ کا فرق و امتیاز کی بغیر فیصلہ ہو جائے بلکہ اسے نفع سے محروم رہنا اور مضرت و خداب کا مزہ چکھنا ہوگا۔ وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَ قَوْمٍ حِسَابَ اللَّهِ مَرِيحُ الْحِسَابِ۔

یہ اس گم کردہ راہ جماعت کی تصویر و تمثیل تھی جس نے غلط گمان کی وجہ اپنے آپ کو ہدایت اور راہ راست پر چھا تھا۔ اب منکرین حق کی دوسری قسم کو لوجس کے حالات کی تشبیہی ظلمات بحر سے دی گئی ہے۔ یہ ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو حق اور رشد و ہدایت کو جان پہچان کر ترک کر دیتے اور باطل ہی کی تاریکیوں کو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر ایک دو نہیں کئی طرح کی تاریکیاں چھا جاتی ہیں۔ ایک طرف سے فطرت کی ظلمت کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسری طرف روح کی ظلمت کا۔ تیسری سمت سے جہل کی تاریکی مسلط ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے، انجام جہل کا زنگ ان پر بیٹھ جاتا ہے، اور جو حق طرف اتباع ہوگی۔ ان تہ بہ تہ ظلمتوں میں گھڑ جانے کے بعد ان کا حال بالکل اس شخص کے مشابہ ہو جاتا ہے جو ایک ایسے دریا کے پائیدار کنارے جا پہنچا جو جس میں بہروں پر بہریں اٹھ رہی ہوں اور تھما ہی اور پر سے سیاہ بادلوں کی تاریکی بھی اس پر چھائی ہوئی ہو۔ یعنی اس پر تین طرح کی تاریکیاں بیک وقت چھائی ہوئی ہوں، دریا کی تاریکی، موجوں کی تاریکی، اور بادل کی تاریکی۔ غور کرو، انھیں تاریکیوں کے مشابہ کفار کے قلوب کی تاریکیاں بھی ہیں۔ فطرت کی تاریکی، روح کی تاریکی، اور دماغ کی تاریکی۔

سراب (جسے دور سے پانی یعنی مادہ حیات سمجھا گیا) اور ظلمات (جو نور کی ضد ہے) کی یہ دونوں مثالیں ان دونوں (تاری و آبی) مشلوں کے مشابہ ہیں جو منافقین اور مومنین کے بارے میں اوپر بیان کی جا چکی ہیں اور جن میں مومنین کا حصہ زندگی اور نور دکھایا گیا ہے اور منافقین کا حصہ ان کے برعکس ظلمت اور زوت کی ہولناکی بتائی گئی ہے۔ یہی حالت منکرین و منافقین کی زیر بحث مشلوں میں بھی بیان ہوئی ہے کہ پانی کی تلاش میں انھیں سراب ملا جو دھوکے سے پانی نظر آ رہا تھا اور جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اسی طرح نور کے بجائے ظلمت

جو ایک طرح کی روحانی موت ہے، ان کے مقدر میں نکلی۔

ہو سکتا ہے کہ اس مثال میں بحیثیت مجموعی کفار کی تمام جماعتوں کی حالت کی طرف اشارہ ہو اور ان سب کی اس مشترک بذممتی کا اظہار مقصود ہو کہ انہوں نے وحی الہی کی طرف اعتناء اور توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ”روح حیات“ اور ”نور“ سے محروم ہو گئے (کیونکہ قرآن وحی کو روح اور نور سے تعبیر کرتا ہے) اس صورت میں یہ دونوں مثالیں ایک ہی موصوف کی دو صفتیں ہوں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفار کے مختلف گروہوں کا الگ الگ حال بیان کرنا مقصود ہو۔ اس صورت میں پہلی مثل ان لوگوں سے متعلق ہوگی جنہوں نے علم و بصیرت کی روشنی کے بجائے محض ظن اور جہل اور اپنے اسلاف کے حسن ظن پر اپنے اعمال کی بنا رکھی، اور آخر دم تک یہ سمجھتے رہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں نہایت ہی بہتر کر رہے ہیں، یعنی گمراہی کے باوجود انہیں اپنے حسن عمل کا پورا یقین تھا۔ اور دوسری مثل اس جماعت کے بارے میں ہوگی جس نے ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور حق و صداقت پر باطل کو ترجیح دی اور حق اور ہدایت کا چہرہ دیکھنے کے بعد اندھ بنے یعنی حق کو پہچان کر انکار کی شقاوت میں مبتلا ہو گیا۔ دونوں گروہوں کا فرق ظاہر ہے۔ پہلا گروہ ضالین کا ہے اور دوسرا مغضوب علیہم کا۔ اور ان دونوں گروہوں کا حال اس منعم علیہ گروہ کے حال سے بالکل مختلف بلکہ مقابل ہے جس کا ذکر آیت ”اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ میں کیا گیا ہے۔ اس پورے سلسلے کو سامنے رکھو تو معلوم ہو گا کہ ان آیات میں تینوں جماعتوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ایک تو وہ گروہ ہے جس کے لیے نور کی مثل بیان کی گئی ہے۔ دوسری جماعت ضالین کی ہے جو ضلالت کی تاریکیوں میں ٹھوکر کھاتی رہی، جس کے لیے سراب کی مثال دی گئی ہے۔ اور تیسری جماعت مغضوب علیہم کی ہے جس پر خدا کی پھٹکار اور غضب کی لعنت پڑی ”أَوَكَلَّمْتُمُت“ میں انہیں کی تصویر پیش کی گئی ہے مختصر لفظوں میں ان تینوں گروہوں کا نام، اہل نور، اہل سراب، اور اہل ظلمات رکھا جاسکتا ہے۔ پس ان دونوں مثالوں میں پہلی مثل ارباب عمل باطل کی ہے جنہوں نے عمل باطل کا ذریعہ اور فائدہ سے بالکل خالی ذخیرہ جمع کیا۔ اور دوسری ان اصحاب علم باطل کی ہے جنہوں نے علم حق کو چھوڑ کر غلط اعتقاد اور فاسد اور غیر نافع علم اختیار کیا۔

اور یہ دونوں چیزیں، باطل عمل اور باطل علم، دین حق سے فطری تضاد رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ذوقِ شہانی کے شکوک و شبہات اور علومِ فاسدہ سے گھرے ہوئے دلوں کی تشبیہ اس دریا کی متلاطم حالت کی دی ہے جس میں موجیں اُٹھ رہی ہوں اور تہ بہ تہ بادلوں کی تاریکی بھی اوپر سے مسلط ہو کیونکہ بعینہ ہی تصویر ان تاریک اور مضطرب لوگوں کی ہیئتِ نفسی کی ہوتی ہے جن کے اندر شکوک و شبہات کے دریا موجزن ہوتے ہیں، اور جن پر دانستہ گمراہی، ہوا پرستی اور باطل کا سیاہ ابر بھی محیط ہوتا ہے۔ اگر علم و بصیرت کے ساتھ ان دونوں مشلوں پر اور کفار کی ہیئتِ نفسانیہ سے ان کے کمالِ تطابق پر غور کیا جائے تو فطرتِ انسانی قرآن کی عظمت و جلالت کے سامنے سراسر اعتراف جھکا دے گی اور اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اسی ذاتِ واحد کا کلام ہو سکتا ہے جو ہر طرح کی تائشوں اور تعریفوں کی تہنہ استحق اور تمام حکم و اسرارِ فطرت کی تہنہ راز دہاں ہے۔

(۷) کفر نامکن العلاج مریضوں کی حالت کی مثال :-

اَوْ تَخْتَبُ اَنْ اَكْتُمُوهُمْ سَمْعًا
يَا قَوْمِ خَيَالِ كَرْتِ جُو كِه اِن مِيں اَكْتَرِنْتِي يَابَجْتِي هِيں ۹ نِهِيں ۹
اَوْ يَعْقُلُونَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَا زَانِعًا مَبْلُ
يِه تُو بَا كَل چُو پَا يُوں كِي طَرَح هِيں، بَلَكِه اِن سِي سِي
هُمَا صَلُّ سَيِّدًا۔ (فرقان - ۱۴) گئے گزرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر نسلِ انسانی کے کج فطرت طبقہ کی تشبیہ چوپایوں سے دی ہے۔ وہ مشابہت ہدایت کا عدم قبول ہے جس میں دونوں گروہ یکساں طور پر شریک ہیں۔ یہ لوگ باطنی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں اور فہم و ادراک کی صلاحیت فنا کر کے جہل کے قالب میں ایسے ڈھل گئے ہیں کہ گویا حیوانات کی طرح انہیں سرے سے عقل و ہوش اور بصیرتِ قلب کی استعداد حاصل ہی نہیں ہوئی۔ پھر اس تشبیہ کے بعد قرآن نے ان لوگوں کو جانوروں سے بھی زیادہ جادہ فراموش اور شاہراہ ہدایت سے دور بتایا ہے کیونکہ بہائم و انعام اگر چہ ایک بے عقل و خرد مخلوق ہیں لیکن پھر بھی جو وہاں کی رہنمائی کے ذریعہ صحیح راہ انہیں مل بھی جاتی ہے، جسے وہ اختیار کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے اور نہ زیادہ تردا میں بائیں کترانے کی کوشش کرتے

ہیں لیکن حضرت انسان کو دکھو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کو حق و معرفت کی تلقین کرتے، ہدایت کی راہ بتاتے اور نجات کی طرف دعوت دیتے ہیں تو ان کے کانوں پر جوں تک نہیں بنگتی اور اس دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اس کے دشمن بن جاتے ہیں، اور اپنے نفع نقصان تک کی تمیز روا نہیں رکھتے کہ جو چیز ان کی نوع (انسانیت) کے لیے مفید ہو اسے اختیار کر لیں اور جو چیز اس کے لیے مہلک ہو اسے ترک کر دیں لیکن حیوان پھر بھی بائیں ہمہ جو اپنے بھلے برے کی تمیز کرتا ہے، مضر نباتات اور مہلک پودوں کے کھانے اور خطرناک راستوں پر چلنے سے پوری طرح اجتناب کرتا ہے، حالانکہ خداوند عالم نے اس کو قلب ایسا دیا ہے جس میں فہم و بصیرت کی روشنی مفقود ہے اور ذہن ایسی دی ہے کہ نطق و گویائی سے قطعاً محروم۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان تمام نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے جو ان کے لیے ہر قدم پر دلیل راہ بن سکتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان سے فائدہ اٹھانے اور ہدایت و معرفت کی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہی رہے، اور عقل کی روشنی، قلب کی بصیرت، زبان کی گویائی، کان کی سماعت اور آنکھ کی بصارت رکھتے ہوئے بھی انھوں نے ان تمام آلات تمیز سے حق و باطل کی راہیں متعین کرنے اور کھرے کھوٹے کو پہچان لینے میں کام نہ لیا۔ پھر وہ حیوانات سے بھی زیادہ گمراہ اور اٹھلے کیوں نہ ہوں کیونکہ جو ہاتھوں میں چراغ رکھتا ہو اور اس کے باوجود گڑھے میں جا گرے وہ اس شخص کی نسبت بہت زیادہ قابل ملامت ہے جو بغیر چراغ کے ٹھوکر کھائے۔

(۸) شرک کی نامعقولیت :-

اللہ تمہارے سامنے خود تمہارا اپنے ہی حال سے ایک مثال بیان کرتا ہے جن غلاموں کے تم مالک ہو کیا ان میں سے کوئی بھی اس روزی میں، جو تم نے تم کو دے رکھی ہے، تمہارا شریک ہو کہ تم اور وہ اس میں برابر کا حق رکھتی ہو، اور ان سے بھی ویسا ہی اندیشہ رکھتے ہو جیسا اپنے (جیسے آزاد حق تصرف رکھنے والوں) سے؟ ایسا ہی

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ
 هَلْ لَكُمْ مِمَّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ تَرْتَبِكُمْ
 فِيمَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُفَهُمْ
 كَخَيْفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ
 لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ - (روم - ۴)

ہم سمجھنے والوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

آیت کریمہ میں جس دلیل سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بے بنیاد مسلک کے خلاف استدلال کیا ہے اسے اصطلاح میں دلیل قیاس کہا جاتا ہے۔ استفہاناً ان کے غلاموں کو ان کا شریک سہم قرار دے کر ان کے خلاف ایسی حجت قائم کی ہے جس کی صحت کے وہ کلی طور پر ایسے معترف ہیں کہ ان کے دماغ میں کبھی اس کی غلطی کا وہم بھی نہیں گذرتا۔ اور یہ دلیل و حجت کا بہترین و بلیغ ترین اسلوب ہے کہ مخالف پر خود اسی کے مسلمات اور بدیہی کلیات سے حجت قائم کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ان نادان انسانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تمہارے غلام اوڈیاں جو تمہارے دست تصرف میں ہیں کیا یہ تمہارے مال و متاع میں شریک ہیں؟ کیا اپنے ان مالیک کے متعلق تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ تمہاری جائیداد میں یہ ساویانہ حصہ داری رکھتے ہیں؟ اور اس تصور کے تحت تمہارے دلوں میں کبھی یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ کبھی وہ تمہارے مال و متاع میں سے اپنا حصہ بٹالیں گے یا اپنے حصے زائد تمہارا حق بھی مار لیں گے جس طرح کہ ایک شریک دوسرے شریک سے عموماً خوف و بے اطمینانی عموماً کیا کرتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ”تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ“ کی تاویل یہ فرمائی ہے کہ کیا تم کو ان غلاموں سے یہ اندیشہ اور خوف ہے کہ وہ تمہارے مال و اسباب کے وارث ہو جائیں گے جس طرح کہ تم میں سے بعض کو بعض کے ترکہ میں حق وراثت حاصل ہوتا ہے؟ بہر کیف آیت کا مقصد یہ ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اس بات پر رضی ہوگا کہ اس کا غلام اس کے سرمایہ اور اہل و اولاد میں شریک ہوتی کہ اس کے برابر حق تصرف رکھے، اور اس حق تصرف کی وجہ سے اسے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ کہیں وہ (غلام) موقع پاکر ساری ملکیت پھانسا نہ جائے، جیسا کہ برابر شرکاء میں یہ خطرہ ہر دم موجود رہتا ہے؟ اگر تم اس پر رضی نہیں اور نہ کبھی ایسی نامتقول بات تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو تو پھر وہی بات میرے لیے کیوں پسند کرتے ہو؟ اور میری مخلوقات کو، جو میرے خلق غلامی میں ہیں، کیونکر میرا سرمایہ اور ہم پایہ قرار دیتے ہو؟ اور جبکہ غلام و آقا کی اس مساوات کے تخیل کو تمہاری عقل اور فطرت بدستہ غلط سمجھتی ہے (حالانکہ تمہارے حق میں اس کا بہت کچھ امکان بھی ہے اس لیے کہ حقیقت کے اعتبار سے تو تمہارا

غلام تمہاری ملک کسی طرح نہیں ہیں، بلکہ دراصل وہ تمہارے برابر کے بھائی ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے قبضہ اقتدار میں دے رکھا ہے، اس لیے محض عرضی طور پر نہ کہ حقیقی طور پر دونوں کے مرتبے جدا گانہ ہو گئے ہیں اور دونوں کو مجازاً آقا اور غلام کے الگ الگ نام مل گئے ہیں، ورنہ حقیقتاً تم اور تمہارے غلام دونوں کے دونوں ہی کسی اور ہی حقیقی آقا کے غلام اور بندے ہیں، تو میرے حق میں تمہارا ضمیر اسی تختیل کے تسلیم کرنے کی اجازت کیوں کر دیتا ہے حالانکہ وہ تمام کے تمام میرے ہی بندے، میری ہی ملکیت اور میری ہی مخلوق ہیں جن کو تم میرا ہم پایہ و ہم مرتبہ اور شریک بنا رکھا ہے؟ یہ ہے تفصیل آیات، یعنی كَذٰلِكَ نَفَصَّلُ الْاٰیٰتِ كَمَا ^{مطلب} (۹) ابطال شرک :-

خداؤ ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک غلام جو دوسری کی ملک چھوٹی کا اختیار نہیں کھتا۔ دوسرا شخص ہے (خود مختار) جس کو ہم نے اپنی سرکار بھی روزی دیکھی ہے تو وہ اس میں کچھ چھپکا اور کچھ کھلے طور پر خرچ کرتا ہے کیا اس کو دوسرا شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ مثال سن کر شرکین ضرور پکاراٹھیں گے (احمد شہد کہ اتنا تو بھگے، لیکن ان میں کبھی یہی نہیں جو اتنا ہی، سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور خداؤ ایک دوسری ہش دو آدمیوں کی بیان فرمائی ان میں کا ایک گونگا (کوئی کاغذام بھی) جو کچھ نہر کر سکتا دینے، وہ اپنے آقا کا بار خاطر بھی ہے کہ جہاں کہیں اس کو بھیجے اسے ٹھیک

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا اٰمِلُوْكَ لَا يَفْقِدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمِنْ رِّزْقِنَا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اَنْ يَّبْنُوْا مِنْهُ سِيْرًا وَّجَمْرًا اَهْلٌ يَّبْسُتُوْنَ لِحَدِّ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَبْكَمٌ لَا يَفْقِدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلَاةٍ اٰيْتًا يُّوجِبُهَا لَآيٰتٍ يَّخْبِرُ اَهْلٌ يَّبْسُتُوْنَ اَهُمْ وَّمِنْ يَّامُرُ بِالْعَدْلِ وَّهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (نحل - ۱۰)

نہیں بناتا کیا ایسا غلام اور وہ جو عدل کا حکم کرتا ہے اور خود بھی سیدی ماہ پر ہے، برابر ہو سکتے ہیں۔

ان آیات میں قرآن نے دو مثلیں بیان کی ہیں اور دونوں میں استدلال کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جسے اصطلاح میں قیاس عکس کہا جاتا ہے یعنی کسی شے سے علت حکم کی نفی کر کے اس حکم کی نفی کرنا۔ کیونکہ قیاس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو قیاس عام جس میں ثبوت علت کی وجہ سے فرع میں اسل کا حکم لگایا جاتا ہے۔ دوسرا قیاس عکس جس میں

نفی علت کی وجہ سے اصل کے حکم کی نفی کی جاتی ہے۔ یہاں اسی طرز استدلال سے زیر بحث مخلوق میں کام لیا گیا ہے۔ پہلی تمثیل اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور شانِ ملوکیت، اور بتوں کے معجز اور بیکسی کی دی ہے۔ اور بت پرستی کی ناکامی پر روشنی ڈالی ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ، عالم کی تمام اشیاء کا مالک کل اور ذرہ ذرہ کا فرمانروا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے غنی ملو پر، اور کھلے بندوں شب و روز اپنے بندوں کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے حد حساب دے ڈالتا ہے۔ اس کا خزانہ رزق اتنا وسیع اور لامحدود ہے کہ شانہ روز کی بہیم بخششوں اور فیاضیوں کے باوجود بھی کم ہونے والا نہیں۔ اس کے برعکس اصنام و اوثان ایک محکوم اور در ماندہ مخلوق ہیں جن کو کسی چیز پر بھی قدرت و اختیار نہیں تو پھر مشرکین کو کیا ہو گیا ہے کہ اس عظیم الشان اور روشن از آفتاب فرق کے باوجود، کہ میں قادر مطلق ہوں اور یہ بت مجبور محض، میں مالک ہوں اور یہ ملوک، وہ کس طرح ان بے بس اور در ماندہ مورتوں کو میرا شریک و ہمتا سمجھتے ہیں۔ اور مجھے چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔

آیت کی یہ تاویل امام مجاہد وغیرہ کی ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس نے ایک دوسری تاویل بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی اور مبودان باطل کی مثال نہیں دی ہے بلکہ مومن اور کافر کی دی ہے، اور بتایا ہے کہ صالح مومن کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کی طرف سے بہترین رزق سے نوازا گیا ہے جسے وہ اپنے مصارف میں بھی خرچ کرتا ہے اور دوسروں کی بھی، چھپکرا اور بر بلا، ہر طریقہ سے حاجت روائی کرتا ہے۔ بخلاف اس کے خیر و صلاح سے عاری کافر کی مثال اس بیکس اور زیر اقتدار غلام کی سی ہے جو مجبور محض اور بالکل ہی قدرت و اختیار سے محروم اور جو ایک جہ بھی خرچ کرنے پر قادر نہیں۔ کیونکہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔ اس توضیح اور تفریق کو بعد سوال کرتا ہے کہ کیا کسی صاحب عقل کے نزدیک یہ دونوں یکساں اور ہم پلہ ہو سکتے ہیں؟

آیت کی یہ دو تاویلیں کی گئی ہیں، لیکن پہلی تاویل زیادہ معنی خیز اور لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل مقصد یعنی ابطال شرک کے لیے یہ زیادہ مؤثر بھی ہے اور واضح بھی۔ اور نظم کلام بھی اسی کا مقتضی ہے، چنانچہ اس سے پہلے آیت وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالدَّارِ

شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ہے جس میں شرک کی بے بنیادی ثابت کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد ہی ضربِ اللہ مثلاً عبداً اعمالوگاً لا یقدر علیٰ شیء الخ کی تمثیل بیان کی گئی ہے جس سے متبادر ہی ہوتا ہے کہ تیشیل آیت مابقی کی توضیح ہے۔ ہاں اس مثل سے لازمی طور پر مفہوم بھی خود بخود کھل جاتا ہے کہ توحید پر کامل اعتقاد رکھنے والے مومن کا حال اس شخص کا سا ہے جس کو بارگاہِ خداوندی سے رزق کا بہترین حصہ ملا ہو اور اس کو اس سے فائدہ اٹھانے کا پورا پورا اختیار حاصل ہو، اور کافر مشرک کی مثال اس زیرِ اقتدار اور مملوک غلام کی سی ہے جس کو کچھ بھی قدرت و اختیار حاصل نہیں۔ لیکن یہ آیت کا اصل معنی نہیں ہے بلکہ بطور اشارۃ النص کے اس سے یہ مفہوم بھی ضمناً نکلتا ہے۔ لہذا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ اس مثل میں مومن و کافر کی حالت بیان ہوئی ہے، دراصل اسی حقیقت کا حامل ہے اور ان کے کہنے کا مقصد یہی ہے کہ ابطالِ شرک کے ساتھ ساتھ مومن و کافر کی واقعی حیثیت بھی اشارۃً اس آیت سے روشنی میں آجاتی ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ آیت کا اصلی اور متعین مفہوم ہی یہی ہے۔ اور قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر کا یہ بھی ایک عام انداز ہے جس کی تائید چاہو تو قدما کے اقوال کی طرف مراجعت کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر سلف صحابین کے اقوال میں تو اس کی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔ وہ اکثر آیات میں ان کے اصل معانی کو بیان کرنے کے بجائے ان کے لوازم اور ضمنی احکام پر اشارہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں، لیکن عام لوگوں کو گنا ہوتا ہے کہ آیات کی تعین تاویل ان کے نزدیک ہی ہے، اور اس کو یہ نظری کی وجہ سے لوگ اقوالِ سلف کو تفسیر آیات کی حیثیت سے پیش کرنے لگتے ہیں۔